



خدیجہ طاہرہ، ایم ایس سکالر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر بی بی امینہ، اسسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ناول جس از حسن منظر اور اس کے انگریزی ترجمے *Suffocation* از اسماء منصور میں تہذیبی و

ثقافتی اور اسلوبی عناصر: تجزیہ و تنقید

**Cultural, Civilizational, and Stylistic Elements in Hassan Manzar’s Novel *Habs* and its English Translation *Suffocation* by Asma Mansoor: A Critical Analysis**

Khadija Tahira, MS Scholor, IIUI

Dr. Bibi Ameena, AP, IIUI

#### **Abstract**

This study examines the cultural, civilizational and stylistic dimensions involved in the translation of Hassan Manzar’s Urdu novel *Habs* into English as *Suffocation* by Asma Mansoor. It highlights translation as a complex intercultural process that not only transfers linguistic meaning but also mediates between differing cultural, religious, and ideological contexts. Drawing upon theoretical frameworks such as Eugene Nida’s equivalence theory and Aiwei Shi’s concept of accommodation, the article analyzes how translation strategies—particularly foreignization and domestication—are employed in the target text. Through comparative textual analysis, the study demonstrates how cultural markers, religious terms, historical references, and stylistic features are either retained, adapted, or omitted. It further explores how these strategies impact the semantic integrity and ideological orientation of the translated text, especially in politically sensitive contexts such as the Palestine-Israel conflict depicted in the novel. The findings suggest that while foreignization preserves cultural authenticity, domestication enhances readability but may alter original meanings. The research underscores the translator’s critical role in balancing fidelity and acceptability across linguistic and cultural boundaries.

**Key words:** Hassan Manzar, Asma Mansoor, Habs, Suffocation, Translation

Strategies, Translation Studies, Comparative Analysis



دنیا کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہر زبان کے اپنے اصول اور قاعدے ہوتے ہیں جن کے مطابق کوئی بھی زبان بولی جاتی ہے تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر زبان میں ارتقا کا عمل جاری رہتا ہے۔ زبانوں کے اس ارتقا میں مختلف اقوام کا میل جول اور باہمی روابط اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چوں کہ مختلف اقوام مختلف نظریات، مختلف قومی مزاج، مختلف ثقافتی تناظرات اور سب سے بڑھ کے مختلف زبانوں کی حامل ہوتی ہیں لہذا دو مختلف اور اجنبی اقوام کے مابین باہمی اختلاط ترجمے کے عمل کی بدولت ہی ممکن ہوتا ہے۔ ”ترجمہ سے مراد پیغام کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی ہے۔“ ”پیغام کی یہ منتقلی ماخذ متن سے ہدفی متن کے مابین انجام پاتی ہے اور اسی منتقلی سے دو مختلف تہذیبیں اور اقوام ایک دوسرے کے نزدیک آتی ہیں۔ ماہرین کے مطابق ترجمے کے اس اہم کردار کی بدولت ترجمہ دو تہذیبوں کے مابین پل کا کام سرانجام دیتا ہے۔ اردو لغت تاریخی اصول پر کے مطابق:

”کسی زبان کی تحریر یا تقریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ترجمہ کہلاتا ہے“<sup>۴</sup> مظفر علی سید لفظ ”ترجمہ“ سے متعلق لکھتے ہیں:

”ٹرانسلیشن“ کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ”پار لے جانا“۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی مترجم کسی کو پار اتار تا بھی ہے یا نہیں۔ یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ جس کا اشتقاقی رابطہ ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے، عربی زبان سے آیا ہے۔ اہل لغت اس کے کم از کم چار معانی درج کرتے ہیں: ایک سے دوسری زبان میں نقل کلام، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کا بیان، احوال یا تذکرہ شخصی“<sup>۵</sup>

یوجن نیڈا (Eugene Nida, 11 Nov, 1914 to 25 Aug 2011)<sup>۶</sup> کے مطابق:

The process of reproducing in the receptor language the closest natural equivalent of the source language message.

ماخذ زبان کے پیغام کا نزدیک ترین متبادل اور مساوی پیغام حصولی و ہدفی زبان میں دوبارہ تشکیل دینا ترجمہ کہلاتا ہے۔<sup>۷</sup> ترجمے کا اصل کام دو مختلف اقوام کے مابین علوم کی منتقلی ہے۔ مفہوم کی اس منتقلی سے مختلف اقوام ایک دوسرے کے نزدیک آتی ہیں۔ علاوہ ازیں، علوم کی منتقلی سے مختلف قوموں کی تہذیب و ثقافت، سیاسی تناظرات و نظریات اور مجموعی



طور پر سماجی ورثے میں بھی تفاوت پیدا ہوتا ہے۔ اس سے اجنبی اقوام کے مابین واقفیت بڑھتی ہے اور اذہان میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ترقی پذیر اقوام ترقی کی جانب گامزن ہوتی ہیں اور ایک قوم دوسری قوم کی روایات، پس منظری عوامل اور نقطہ ہائے نظر سے واقف ہوتی ہے تاہم، اس تمام تر عمل کے لیے مترجم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ دونوں زبانوں، علوم، دونوں اقوام کے نظریات اور ثقافتوں کی مکمل جانکاری رکھتا ہو۔

ترجمہ ایک مشکل فن ہے۔ دورانِ ترجمہ مترجم کو نہ صرف ایک زبان کا متن دوسری زبان میں منتقل کرنا ہوتا ہے بلکہ زبانوں سے جڑی ثقافتوں اور ثقافتوں کی منفرد علامات کو بھی مد نظر رکھنا ہوتا ہے، جبھی مترجم کا ان علامات سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے۔ علاوہ ازیں، اگر کسی خاص علامت کے لیے کسی دوسری زبان کی ثقافت میں ملتی جلتی علامت موجود ہے تو مترجم اسے بطور متبادل استعمال کر سکتا ہے۔ اس سے ترجمہ شدہ متن ہدنی قارئین کے لیے نامانوس نہیں رہتا۔

ترجمے کے عمل کے دوران دونوں متون سے جڑی دو اجنبی ثقافتیں ایک دوسرے کے نزدیک آتی ہیں جن کے ذیلی عناصر مثلاً لباس، خوراک، طرزِ رہن سہن، علوم و فنون، تہوار، ادب اور نظریات و عقائد کے اظہار کے مختلف طریقے لہجہ و لہجہ کا کام دیتے ہیں اور یوں ایک اجنبی ثقافت کا قاری ایک قطعی طور پر مختلف ثقافت کی جانکاری حاصل کرتا ہے، اس میں دلچسپی لیتا اور اس کے متعلق مزید کھوج اور تلاش کر کے نہ صرف اپنی معلومات میں اضافہ کرتا ہے بلکہ اس کی شخصیت میں ایک مختلف و ممکنہ طور پر اس کے نظریات و عقائد سے متصادم نظریات کی حامل قوم کے لیے برداشت کا عنصر بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ محض علم میں اضافے کا سبب ہی نہیں بنتا بلکہ دنیائے عالم کے انسانوں کے مابین باہمی اشتراک کا ذریعہ بنتے ہوئے انسانیت کے تقدس کو فروغ دیتا ہے۔

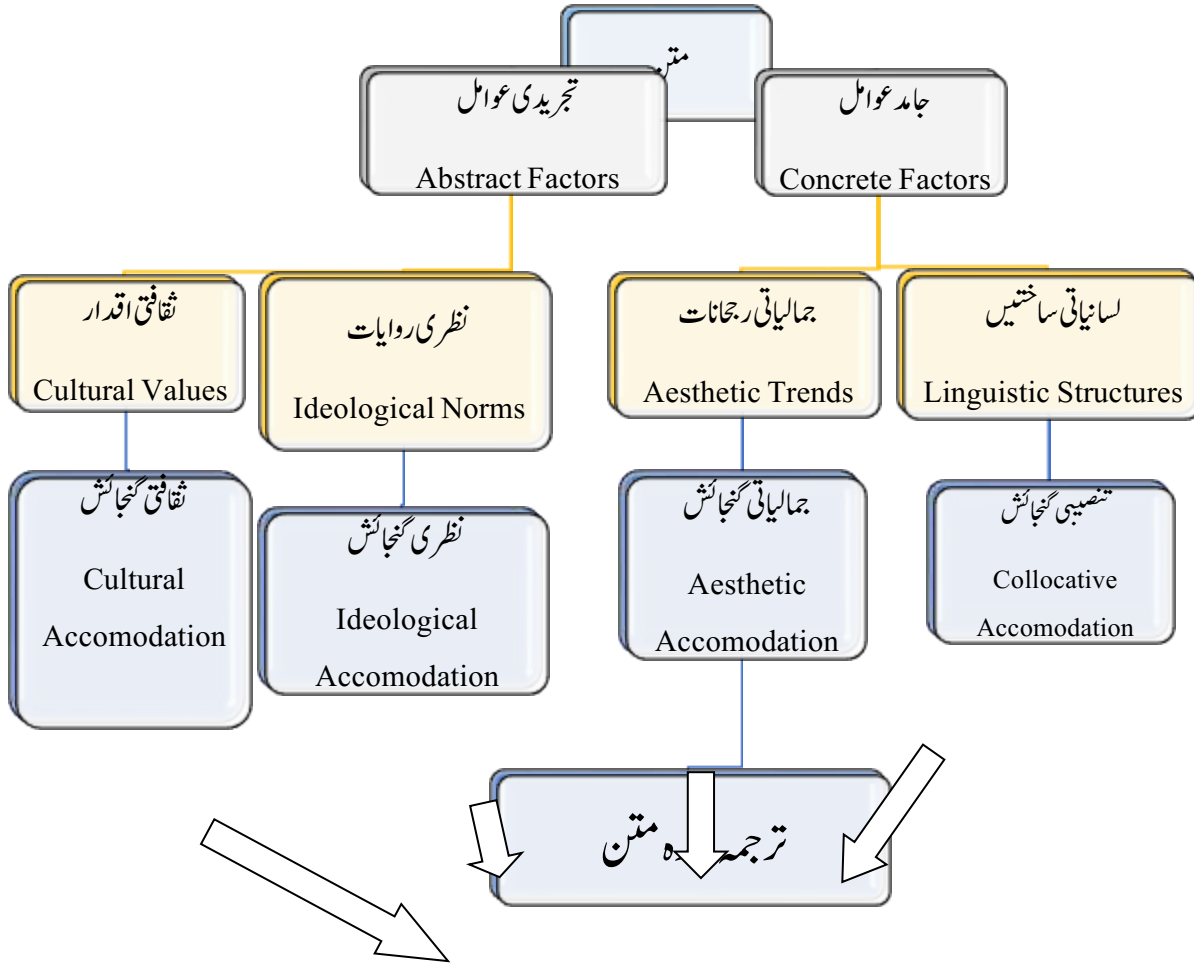
مختلف اقوام مختلف مذاہب اور عقائد کی حامل پیروکار ہوتی ہیں۔ یہی عقائد و مذہبی تعلیمات بعد ازاں ان کی معاشرتی زندگی میں بھی جھلکتے ہیں اور جمہور کے مجموعی مزاج کو تشکیل دیتے ہیں۔ ترجمے کا عمل مذہبی، نظریاتی اور لسانی لحاظ سے اقوام عالم کے مابین تعصب کا خاتمہ کر کے مختلف قومیتوں میں باہمی یگانگت و الفت کی فضا پروان چڑھانے میں معاون



ثابت ہوتا ہے۔ یوں ترجمے کے تحت لسانی سطح پر تنوع پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ افکار و نظریات میں بھی تنوع پیدا ہوتا ہے۔<sup>۷</sup>

مختلف زبانیں مختلف و منفرد شعری، اسلوبیاتی اور جمالیاتی خصائص کی حامل ہوتی ہیں۔ ہر زبان میں طریقہ اظہار مختلف وسائل کا حامل ہوتا ہے۔ ترجمے کے عمل کے دوران دو مختلف زبانوں کے اظہار کے وسائل ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور نتیجتاً اخذ و قبول کی مختلف صورتیں وقوع پاتی ہیں۔ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے لسانیاتی ذرائع مستعار لیتی ہیں جو بعد ازاں ہدفی زبان کا حصہ بن کر اسی میں رائج ہو جاتے ہیں۔

معروف چینی ماہر ترجمہ ایوی شی (۲۰۰۴) کے فن ترجمہ سے متعلق نظریات کا اظہار ان کے ایک مقالے میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے تحقیقی مقالے میں نہ صرف فن ترجمہ کی تعریف پیش کی ہے بلکہ ترجمے کی گنجائشوں اور حکمت عملیوں اور ترجمے کو متاثر کرنے والے جامد و تجریدی عوامل اور ان عوامل کی بدولت وقوع پانے والی مخصوص حکمت عملیوں کو بھی واضح کیا ہے۔ شی کا پیش کردہ ماڈل متن پر اثر انداز ہونے والے جامد و تجریدی عوامل بیان کرتا ہے جن کے نتیجے میں ترجمہ شدہ متن ایک نئی ہیئت میں سامنے آتا ہے۔ ماخذ متن کا مصنف اپنی ثقافت، قارئین کے نظریات، مزاج اور سماجی ماحول کو مد نظر رکھ کر یہ متن تخلیق کرتا ہے۔ ہر متن اپنے سماج سے جڑی روایات کا عکس اپنے کلامیے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف جب مترجم اس متن کو ترجمے میں ڈھالنے لگتا ہے تو اس نے نہ صرف اصل متن سے وفاداری کا تقاضا پورا کرنا ہوتا ہے بلکہ ہدفی قارئین کے مزاج کو بھی بطور مجموعی مد نظر رکھنا ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ ماخذ متن میں چند ترامیم کرتا ہے تاکہ ہدفی متن بھی وہی روح اپنے اندر لیے ہوئے ہو جو اصل متن میں موجود تھی۔ یہ ترامیم یا تبدیلیاں دراصل وہ گنجائشیں یا حکمت عملیاں کہلاتی ہیں جو ایک مترجم اختیار کرتا ہے۔<sup>۸</sup> ذیل میں شی کا ترجمے سے متعلق ماڈل پیش کیا جا رہا ہے:



### تصویری خاکہ

مندرجہ بالا تصویری خاکہ متن پر اثر انداز ہونے والے جامد و تجزیاتی عوامل بیان کرتا ہے جن کے نتیجے میں ترجمہ شدہ متن ایک نئی ہیئت میں سامنے آتا ہے۔ ماخذ متن کا مصنف اپنی ثقافت، قارئین کے نظریات، مزاج اور سماجی ماحول کو مد نظر رکھ کے یہ متن تخلیق کرتا ہے۔ ہر متن اپنے سماج سے جڑی روایات کا عکس اپنے کلامیے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف جب مترجم اس متن کو ترجمے میں ڈھالنے لگتا ہے تو اس نے نہ صرف اصل متن سے وفاداری کا تقاضا پورا کرنا ہوتا ہے بلکہ ہدفی قارئین کے مزاج کو بھی بطور مجموعی مد نظر رکھنا ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ ماخذ متن میں چند ترامیم کرتا ہے



تاکہ ہدنی متن بھی وہی روح اپنے اندر لیے ہوئے ہو جو اصل متن میں موجود تھی۔ ترجمے کی گنجائشوں اور حکمت عملیوں سے مراد ترجمے میں بروئے کار لائے جانے والی یہی تراجم یا تکنیکیں ہیں جن کی مدد سے ترجمہ کیا جانے والا متن ماخذ متن کی روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ ہدنی متن کے قارئین کے سیاق، ثقافت، تناظر، نظریات اور ذہنی استعداد کے مطابق ہو۔ ایوی شی (Aiwei Shi, 2004) کی رائے میں:

Accommodation in this article is considered a synonym of adaptation which means **changes** are made so the target text produced is in line with the spirit of the original.

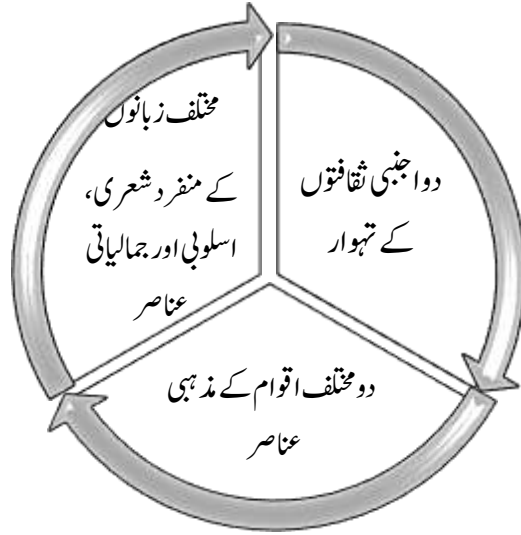
ترجمے کی گنجائش دراصل تراجم کا مترادف ہے جس سے مراد ہدنی متن میں ماخذ متن کی نسبت کچھ ایسی تبدیلیاں لانا ہے تاکہ ترجمہ شدہ متن ماخذ متن کی روح اور معنی کے مطابق تخلیق کیا جاسکے۔ ترجمہ نگاری کی حکمت عملیاں یا گنجائشیں وہ تراجم یا تبدیلیاں ہیں جو ایک مترجم دورانِ ترجمہ شعوری طور پر ترجمہ شدہ متن میں استعمال کرتا ہے۔ ان کے استعمال کا مقصد دراصل دونوں متون (ماخذ و ہدنی) سے انصاف کرنا ہے۔ ان تراجم کے ذریعے ماخذ متن کے مختلف اور اجنبی ثقافتی معیارات، نظریاتی اقدار، سیاق و تناظر اور متن کے مجموعی مزاج کو بدل کر ہدنی قارئین کے خیالات، ثقافت اور نظریات کے مطابق ڈھالا جاتا ہے۔

زیر نظر تحقیق میں ترجمے کی چند حکمت عملیوں کا اطلاق دو منتخب متون پر کیا گیا ہے۔ ان متون میں حسن منظر کا ناول حبس اور اس کا انگریزی ترجمہ *Suffocation* از اسماء منصور شامل ہیں۔ طوالت کے خدشے کے پیش نظر تینوں قسم کی حکمت عملیوں اور ان کی اقسام کا اطلاق منتخب متون پر کرنے کے بجائے مقالے کے عنوان کو مد نظر رکھتے ہوئے محض ان چند حکمت عملیوں کا انتخاب کیا گیا ہے جو دونوں متون میں سیاقی و ثقافتی اور نظریاتی سطح پر افتراقات کا سبب بنتی ہیں۔



جس ڈاکٹر حسن منظر کا تحریر کردہ ناول ہے جس میں یہودیوں کی جانب سے فلسطینیوں کے بڑے پیمانے پر کیے جانے والے ہولوکاسٹ، بیت المقدس پر یہود کے ناجائز قبضے، اسرائیل کے ظلم و ستم پر خاموش رہنے والی عالمی طاقتوں اور اسرائیل کو عظیم تر بنانے کے لیے نہتے فلسطینیوں کے گھروں، عمارتوں کے مسمار کیے جانے کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ناول جس کا انگریزی ترجمہ *Suffocation* کے عنوان سے اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ۲۰۲۳ء میں شائع ہوا۔ اس کی مترجم اسماء منصور ہیں۔ یہ ترجمہ اصل متن کے مصنف ڈاکٹر حسن منظر کی اپنی نظر سے بھی گزرا، لیکن اس میں حبس کی نسبت چند ایسی تبدیلیاں سامنے آئی ہیں جنہوں نے ماخذ متن کے معنی و مفاہیم پر بھی اثر ڈالا ہے۔ ترجمے کے عمل سے گزرتے ہوئے ایک مترجم کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زیر بحث ناول کی مترجم کو بھی انھی دشواریوں سے گزرنا پڑا۔ اس ترجمے میں انہوں نے متعدد نئی تکنیکوں اور حکمت عملیوں کو برتا ہے جن کا استعمال اصل متن میں نہیں ہوا۔ دونوں متون میں افتراقات کا سبب بننے والے عناصر مندرجہ ذیل ہیں:



ماخذ متن کے کئی عناصر مستعاریت (Borrowing)، سفاریت (Calque)، بدیسیت (Foreignization) اور اپنائیت (Domestication) کی تکنیکوں کے تحت ہدنی زبان و متن میں بروئے کار لائے گئے ہیں۔ ان عناصر میں مذکورہ تینوں قسم کے عناصر موجود ہیں یعنی ماخذ زبان کے شعری، اسلوبیاتی و جمالیاتی خصائص، ماخذ



متن سے جڑی ثقافت کے کئی پہلو اور ماخذ متن سے منسلک مذہب کے کئی عناصر۔ زیر نظر تحقیق انہی عناصر کو امثال اور تجزیے کے ذریعے واضح کرے گی۔

### ۱۔ بدیسیت (Foreignization)

بدیسیت سے مراد ایسا عمل ہے جس کے تحت ہدنی متن میں ایسے اجزا کا استعمال کیا جاتا ہے جو ترجمہ شدہ متن کو ہدنی قارئین کے لیے اجنبی بنا دیتے ہیں۔<sup>۱۱</sup> انتونی برمن نے ترجمے کی اس حکمتِ عملی سے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ بعض ماہرین ترجمہ نے ترجمے کی اس تکنیک کو اجنبیانے کی تکنیک کے مماثل بھی قرار دیا ہے جس کے تحت ماخذ متن کے عناصر کو اجنبیا کر ہدنی متن میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد متعلقہ قارئین کے لیے ابہام پیدا کرنا اور انہیں پریشان کرنا نہیں بلکہ ان کے نظریات و تصورات میں وسعت پیدا کرتے ہوئے انہیں مزید سیکھنے پر راغب کرنا ہے۔<sup>۱۲</sup> ترجمہ شدہ متن کو اجنبی اور بدیسی بنانے والے یہ اجزا اور اصل ہدنی متن میں ماخذ متن کی زبان اور اس سے جڑے سیاق و سباق کے تحت ایک نئے آہنگ سے روشناس کرواتے ہیں اور ہدنی متن کے قاری کو ماخذ زبان اور اس کی تہذیب و ثقافت سے منسلک مختلف پہلو جاننے اور ان میں دلچسپی لینے پر مائل کرتے ہیں۔ یوں ہدنی متن کا قاری ان اجزا کی تفہیم کے لیے ماخذ زبان سے جڑے تمام سیاقی پہلو کھگالتا ہے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔

بدیسیت لغوی و نحوی سطح پر مستعاریت و سفاریت کو کام میں لاتے ہوئے ماخذ زبان کی روایات اور اس کے سیاق کو ہدنی متن میں متعارف کرواتی ہے اور ہدنی ثقافت کے قارئین کو یہ باور کرواتی ہے کہ ان کا سابقہ ایک ترجمہ شدہ متن سے ہے تاہم، اس طرح وہ ان قارئین کو ماخذ زبان و متن کی ثقافت کے نزدیک لاتے ہوئے ترجمہ شدہ متن میں اجنبیانے کا ذائقہ اور چاشنی پیدا کرتے ہوئے اسے ایک نیارنگ بھی دیتی ہے۔ اس تکنیک کی بدولت ہدنی متن میں اصل متن کے بدیسی ہونے کا ایک رنگ غالب رہتا ہے۔<sup>۱۳</sup>

ناول جس کے انگریزی ترجمے *Suffocation* میں مترجم نے ماہرین ترجمہ کی وضع کردہ حکمتِ عملی بدیسیت کے تحت مستعاریت اور اسی کی ایک ذیلی قسم سفاریت کو بروئے کار لاتے ہوئے ماخذ متن کے چند تہذیبی و ثقافتی خصائص مستعار لینے کے ساتھ ساتھ چند لسانیاتی ذرائع بھی من و عن مستعار لے کر ہدنی متن میں استعمال کیے ہیں۔ مترجم کے اس



عمل نے ترجمہ کاری کے مقاصد کو مزید واضح کیا ہے کہ ترجمہ زبانوں کے دامن کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ معلومات میں اضافے اور تہذیبی و ثقافتی سطح پر برداشت پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ ہدنی متن میں ان عناصر کا استعمال ماخذ متن کے متعلقہ عناصر کو ہدنی متن میں بدیسی رنگ دینے کا سبب بنا ہے۔ ذیل میں بیان کی گئیں تمام تر مثالیں ہدنی متن میں بدیسی کے حربوں کو برتنے کا فن ظاہر کر رہی ہیں اور ان کی وجہ سے ہدنی متن میں اجنبیانے کا عمل واقع ہوا ہے۔ ناول حبس کے انگریزی ترجمے میں موجود بدیسی کی حکمت عملی کے تحت مستعاریت و سفاربت کی چند مزید صورتیں دیکھیے:

### ۱۔ سجدہ: Sajdah

Then, with his rifle, he started counting those insects who were prostrating themselves with their foreheads on the ground, performing what they call the Sajdah.<sup>۱۳</sup>

مندرجہ بالا مثال ناول حبس کے انگریزی ترجمے پر بدیسی کی حکمت عملی کا اطلاق ظاہر کر رہی ہے جس کا استعمال مستعاربت کی تکنیک کے تحت عمل میں آیا ہے۔ اس مثال میں ”سجدہ“ کا لفظ، جس کا اصل ماخذ عربی زبان ہے اور اردو زبان میں بھی یہ اسی طرح رائج ہے کیوں کہ اردو زبان میں کئی الفاظ دیگر زبانوں سے مستعار لے کر اس کا حصہ بن گئے ہیں، انگریزی میں بھی اس کا استعمال اسی صورت میں کیا گیا ہے۔ اس سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ ماخذ متن کی ایک مذہبی اصطلاح ہدنی متن کے قارئین کے لیے بغیر کسی وضاحت کے یوں ہی پیش کی گئی ہے جس سے اجنبیانے کا عمل بھی سامنے آیا ہے کیوں کہ یہ اصطلاح ہدنی قارئین کے لیے بالکل نئی اور اجنبی ہے۔ ان کے مذہبی سیاق و سباق میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ ایک قطعاً مختلف مذہب کی روایات کو ظاہر کر رہی ہے۔ اس اصطلاح کا ہدنی متن میں یوں ہی استعمال ہدنی قارئین کو ماخذ زبان سے متعلق مزید معلومات لینے اور جاننے پر اکسانے کے لیے کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں، اس سے ماخذ متن کی ایک تہذیبی و ثقافتی صورت حال بھی ہدنی متن میں روشناس کرواتے ہوئے تہذیبی و ثقافتی سطح پر بدیسی کا اطلاق عمل میں لایا گیا ہے۔



## ۲۔ تنبورہ: Tambura

It's an old man singing

To The beat of tambura<sup>۱۵</sup>

”تنبورہ“ فارسی زبان کا لفظ ہے اور جیسا کہ پہلے متعدد بار عرض کیا گیا ہے کہ اردو زبان لشکری زبان ہے اور اس میں دیگر زبانوں کے کئی الفاظ شامل ہیں جو اب اس کا حصہ بن چکے ہیں، لہذا اردو زبان میں بھی تنبورہ کا لفظ رائج ہو چکا ہے، لیکن مذکورہ بالا مثال اس امر کی عکاسی کرتی ہے کہ فارسی الاصل یہ لفظ انگریزی متن میں بھی بغیر کسی ترجمے کے من و عن استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے بدیسیت کی حکمت عملی کے تحت مستعاریت کی ذیلی صورت کا استعمال عمل میں آیا ہے۔ تنبورہ سے مراد طبل یا بجانے والا ایک آلہ ہے جو موسیقی کی دھن بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گویا یہ اصطلاح ایک ثقافتی اصطلاح ہے جو ماخذ زبان کے سیاق سے جڑی ثقافت کو واضح کر رہی ہے۔ انگریزی متن میں اس اصطلاح کا استعمال ہدنی قارئین کے لیے متن کو اجنبی رہا ہے اور ماخذ متن کی ثقافت کو ہدنی متن میں متعارف کرواتے ہوئے قارئین کو اس ثقافت میں دلچسپی لینے، اس سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے اس لفظ کی گہرائی میں جانے کے لیے ابھار رہا ہے۔

## ۳۔ یوم کپور: Yom Kippur

He was the author of the war of Yom Kippur.<sup>۱۶</sup>

”کپور“ کا اصل ماخذ عبرانی زبان ہے اور اس سے مراد ہے ”کفارہ“۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم کپور سے مراد ہے ”کفارے کا دن یا کفارہ ادا کرنے کا دن۔“ یوم کپور کی ترکیب دراصل اضافت کے قاعدے کو ظاہر کر رہی ہے اور اضافت کا یہ قاعدہ انگریزی زبان کا نہیں بلکہ عربی و فارسی زبان کا ہے جو کہ اردو میں بھی اب ایسے ہی رائج ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس انگریزی متن میں اضافت کا قاعدہ اس اصطلاح کے سلسلے میں کچھ یوں ہوتا: The day of Kippur



انگریزی متن میں اس اصطلاح کا ماخذ متن کے مطابق بالکل اسی صورت میں استعمال بدیسیت کی حکمت عملی کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ اصطلاح مذہبی و ثقافتی اصطلاح ہے جو ایک تہذیب اور ثقافت سے جڑے ایک مذہبی تہوار کو ظاہر کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں، اضافت کا قاعدہ بھی بدیسیت کے بروئے کار لائے جانے کو واضح کر رہا ہے۔ ان دونوں نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی متن میں مترجم نے بدیسیت کی ذیل میں مستعاریت کا استعمال لغوی اور نحوی دونوں سطح پر کرتے ہوئے ماخذ متن کی تہذیب و ثقافت کو ہدنی متن میں اجنبیادیا ہے اور اس سے ہدنی قارئین کے لیے ایک بالکل نئی مذہبی اور ثقافتی اصطلاح سامنے آئی ہے جو ان کی معلومات میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے اور انھیں اس اصطلاح کی گہرائی اور اصل ماخذ تک جانے کی ترغیب دے سکتی ہے۔

#### ۴۔ راج: Raj

Perhaps the bloodshed prior to 1948 wouldn't have happened here  
had the Europeans who'd come to settle here had established their  
Raj like their counterparts in the earlier colonies.<sup>۷</sup>

”راج“ اسم مذکر ہے اور اس کا اصل ماخذ سنسکرت زبان ہے۔ سنسکرت سے ہندی اور ہندی سے اردو زبان میں آمد سے یہ لفظ اب اردو زبان کا بھی حصہ بن چکا ہے تاہم، انگریز زبان میں اس قسم کا کوئی لفظ موجود نہیں۔ ہندی اور اردو میں اس لفظ کے معنی ”عملداری، اقتدار یا حکومت“ کے ہیں اور اس لفظ سے بالخصوص ماخذ متن اور ماخذ زبان کی تاریخ کا ایک اہم سیاسی و معاشرتی واقعہ جڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے برصغیر پاک و ہند پر اقتدار سے مشروط ہے۔ برطانوی راج کے لیے ہی اس لفظ کا زیادہ تر استعمال کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی تاریخ کی کتابوں میں برطانوی دور حکومت یا اس دور میں ہندو راج سے متعلق ہی اس کا استعمال زیادہ تر دیکھنے کو ملتا ہے۔ راج سے ہی راجا کا لفظ نکلا ہے اور یہ راجا ہندو یا سکھ حکام کو ظاہر کرتا ہے جو برصغیر پاک و ہند کی سیاسی تاریخ کا اہم حصہ رہے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال ناول حبس میں تاریخ کے اسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے ہی سامنے آیا ہے۔ انگریزی متن میں مترجم نے اس کے لیے کوئی متبادل انگریزی لفظ استعمال



نہیں کیا بلکہ من و عن اس کو استعمال کرتے ہوئے اس سے جڑی تاریخی معنویت اور ماخذ زبان کے سیاق کی تناظر کو ہدنی قارئین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جس کا مقصد ہدنی قارئین کے لیے متن کو مزید دلچسپ بنانا اور ان کو ایک اہم تاریخی واقعے کی تہہ تک پہنچنے کی ترغیب دینا ہے۔

#### ۵۔ میم صاحب: Mem Sahib

And to iron Mem Sahib's clothes were maids with whom the Sahib and young men who visited them for a vacation would flirt while her back was turned.<sup>۸</sup>

#### ۶۔ صاحب: Sahib

As for as the Bedouins are concerned, those free-thinking people would share their meals on the same plate as the Sahibs but they were never their stable hands unless their Sahib shaved off the fur of their camels or took them out to a watering hole.<sup>۹</sup>

”میم صاحب“ اور ”صاحب“ کے استعمالات بھی برصغیر پاک و ہند پر برطانوی دور حکومت کی ہی دین ہیں۔ ”میم“ دراصل انگریزی زبان کے لفظ Ma'am ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کو برطانوی راج کے دوران برطانیہ سے آنے والی خواتین کے لیے مقامی لوگوں کی جانب سے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ صاحب اردو زبان کا لفظ ہے جو کہ کسی محترم ہستی کے لیے استعمال کیا جانے والا تعظیمانہ کلمہ ہے۔ یہ لفظ برطانوی مرد حکام کے لیے، جب کہ ”میم صاحب“ ان کے ساتھ آنے والی خواتین کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مذکورہ دونوں الفاظ دراصل معاشرے میں موجود طبقات کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور مقامی لوگوں کی برطانوی حکام اور ان کے ساتھ آنے والی خواتین کے لیے عزت کے عنصر کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ سفارت کی حکمت عملی کے تحت ”میم“ کا لفظ اردو زبان میں رائج تو ہو گیا ہے تاہم، اس کا تلفظ انگریزی زبان کے مطابق نہیں بلکہ ہندی



اور اردو زبان کے آہنگ کے مطابق مختلف کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اردو زبان کے لفظ ”صاحب“ کا اضافہ سفاربت کے تمام تر قاعدوں کے اطلاق کی عکاسی کر رہا ہے۔ انگریزی متن میں اس اصطلاح کے یوں ہی استعمال کا مقصد ہدنی قارئین کے لیے ماخذ متن سے جڑی ثقافت، سیاسی حالات اور ایک اہم تاریخی تجربے سے روشناس کرانا ہے۔

۷۔ آمین: Amen

May the Great Name of God be Exalted and Sanctified.

۱۰ (The crowd: Amen)

مذکورہ بالا مثالیں ناول حبس کے انگریزی ترجمے *Suffocation* سے اخذ کی گئی ہیں۔ یہ تمام تر مثالیں ترجمہ شدہ متن پر بدیسیت کے اطلاق کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اس جدول میں موجود تمام الفاظ کا ماخذ عربی، اردو، ہندی اور عبرانی زبانیں ہیں۔ ایک لفظ ”میم“ انگریزی زبان کا اپنا لفظ ہے تاہم، اس کا استعمال بھی انگریزی زبان کے اصولوں کے مطابق نہیں بلکہ اردو زبان کے لسانی قاعدوں کے تحت عمل میں لایا گیا ہے۔ انگریزی متن میں ان تمام الفاظ کو ترجمہ کیے بغیر من و عن استعمال کرنا دراصل بدیسیت (Foreignization) کی تکنیک کا استعمال واضح کر رہا ہے۔

۲۔ اپنائیت (Domestication)

اپنانے کا عمل بدیسیت کی تکنیک کے الٹ ہے۔ چوں کہ ترجمے کے عمل کے دوران دو مختلف ثقافتیں اور تہذیبیں آمنے سامنے ہوتی ہیں لہذا ممکن ہے کہ اگر ایک چیز کسی ایک تہذیب میں قابل قبول اور رائج ہے تو دوسری تہذیب میں وہ بے حد معیوب اور نامناسب سمجھی جاتی ہو جیسے رنگوں سے متعلق ہر قوم مختلف نظریات کی حامل ہے۔ ایک قوم میں سفید رنگ امن کی علامت ہے تو دوسری میں سوگ کی۔ ایک قوم سرخ رنگ کو خوشیوں کی علامت کے طور پر لیتی ہے تو دوسری خون اور قتل کی علامت کے طور پر لیتی ہے۔ ہر زبان اور ہر متن سے جڑ اسباق اور تاریخ مختلف ہوتی ہے اور کسی بھی متن کی تفہیم ایک قاری اپنے سیاق، نظریات اور ثقافتی عناصر کی بنا پر کرتا ہے لہذا کسی بھی قسم کی نامناسب صورت حال سے بچنے کے



لیے مترجم ماخذ متن کو ترجمہ کرتے ہوئے اس میں چند تبدیلیاں ہدنی قارئین کے مجموعی ماحول کے مطابق کر دیتا ہے۔ یہ تبدیلیاں اپنائیت کی تکنیک کے تحت عمل میں آتی ہیں۔

یہ تکنیک دراصل اس تصور پر مبنی ہے کہ ہدنی متن کو رواں، آسان، قابل فہم اور ہدنی قارئین کے سیاق و سباق اور تناظر کے مطابق ہونا چاہیے۔ گویا دورانِ ترجمہ ہدنی متن میں ایسی تبدیلیاں کر دی جانی چاہئیں جو ماخذ متن کی معلومات کو ہدنی قارئین کی ذہنی سطح اور مجموعی ماحول کے مطابق مانوس بنا کر پیش کریں تاکہ اجنبیانے کا کوئی عمل دخل نہ رہے۔ اس تکنیک کے تحت ہدنی قارئین کے لسانیاتی و ثقافتی تناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے ماخذ متن میں ترجمہ کرتے ہوئے تبدیلیاں کر دی جاتی ہیں۔ یہ تکنیک ترجمہ شدہ متن کو ہدنی قارئین کے لیے آسان تو بنا دیتی ہے لیکن متن کی اس قدر شفافیت مترجم کی اس کمزوری کو بھی ظاہر کرتی ہے جو وہ ماخذ متن کی کچھ معلومات کو جزوی طور پر یا مکمل طور پر بدل کر پیش کرتے ہوئے ظاہر کرتا ہے۔ اس تکنیک کو برتنے کا نقص یہ ہے کہ اس سے اصل متن کا ذائقہ و چاشنی کسی حد تک ہدنی متن سے غائب ہو جاتے ہیں۔

*Suffocation* میں موجود اپنائیت کی حکمتِ عملی کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ صیہونی شریعت کے عاید کردہ ناقابل معافی گناہ:

یہ کہنا کہ

دوسری عالمی جنگ میں ساٹھ لاکھ سے کم یہودی ہلاک کیے گئے تھے۔

یہ کہنا کہ

سفید یعنی اشک نازی یہودی اپنے ملکوں پولینڈ، روس، جرمنی، بالٹک ریاستوں کو واپس جائیں، فلسطین میں ان کا کیا

کام۔

یہ کہنا کہ

فلسطین کوئی ملک ہے یا کبھی تھا،

اس سے انکار کرنا کہ

دنیا بھر کے یہود ایک نسل ہیں اور از رے انیل (اسرائیل) ان کو خدا کے وعدے کی زمین کا عطیہ ہے۔<sup>۱</sup>

مندرجہ بالا سطور میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ اپنائیت کی حکمتِ عملی کے تحت ماخذ متن کی بعض معلومات جو ہدنی

قارئین کے نظریات، ثقافت ماحول اور عقائد سے میل نہ کھاتی ہوں اور ہدنی زبان و ادب میں معیوب یا قابل اعتراض سمجھی



جاتی ہوں، انھیں جزوی طور پر یا مکمل طور پر ہدنی متن سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد ہدنی متن کو متعلقہ قارئین کے لیے موزوں اور قابل قبول بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ اسی قسم کی صورت حال اس مثال کے ذریعے بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو متن میں بیان کردہ یہ تمام سطور صیہونی شریعت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے انتہائی اہم اور حساس معلومات ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جن کو مانے بغیر صیہونی شریعت اپنے افراد کو قبول نہیں کرتی۔ ان معلومات پر پختہ اعتقاد ہی صیہونیوں کو ایک دوسرے کے نزدیک کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ایک دوسرے پر اعتماد اور ان کے آپسی اتحاد کو پختہ کرتا ہے۔ یہ معلومات چوں کہ حساس نوعیت کی ہیں اور ہدنی قارئین کے لیے قابل اعتراض ہو سکتی ہیں کیوں کہ یہ کسی بھی قسم کے مذہبی یا سیاسی تعصب کو فروغ دے سکتی ہیں اور ان پر سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں، لہذا دوران ترجمہ مترجم نے ان تمام معلومات کو ہدنی متن سے مکمل طور پر خارج کر دیا ہے اور یوں ہدنی متن کی متعلقہ قارئین کے لیے ایک مانوس اور قابل قبول صورت سامنے آئی ہے۔ گویا اپنائیت کی حکمت عملی کا استعمال مجموعی طور پر بھی کسی قسم کی قابل اعتراض صورت حال سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے اور یہاں بھی دونوں متون کے سیاق و سباق اور تہذیبی و ثقافتی تناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے اس حکمت عملی کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

## ۲۔ حبس

انھوں نے زانیوں کو خون ریزی اور یروشلم کو نا انصافی سے تعمیر کیا۔

بائبل (کتاب مقدس)

Israel, the last sanctuary of the megalomaniacs

(وہم عظمت رکھنے والوں کی آخری پناہ گاہ) ۲۲

یہ مثال اصل متن حبس سے اخذ کی گئی ہے جس کی سطور ناول حبس کے بالکل ابتدائی صفحات میں شامل ہیں۔ یہ سطر اہل یہود کی نا انصافی اور خون ریزی کے ذریعے قبضہ کی گئی سرزمین یروشلم اور یہود ہی کی ایک متعصب کمیونٹی زانیوں یعنی صیہونیت کے خلاف مزاحمتی انداز لیے ہوئے ہیں اور ان کا ناول کی بالکل ابتدا میں شامل ہونا اصل متن کے مصنف کے نظریات کے ساتھ ساتھ اس ناول کی تخلیق کے مقاصد کو بخوبی ظاہر کر رہا ہے۔ یہ مقاصد وین ڈائیک کے پیش



کردہ تنقیدی تجزیہ کلامیہ کے نکات سے ہی واضح ہو سکتے ہیں کیوں کہ کلامیہ کا تنقیدی تجزیہ محض اس کے ظاہری و لغوی معنی تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس منظر میں موجود تمام تر محرکات سے معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی مقصد سیاقی معنیات کا بھی ہے۔ کتاب مقدس سے اخذ کی گئیں یہ سطور اور ان کا ماخذ ہدنی متن کے قارئین کے لیے قابل اعتراض ہو سکتے ہیں کیوں کہ ہدنی قارئین عالمی طاقتوں کی زبان اور ان کے نظریات کے حامل ہیں لہذا ہدنی متن میں ان سطور کا مکمل اخراج سیاقی نوعیت کی مصلحت و حکمت لیے ہوئے ہے۔ ایک مترجم اصل متن کو ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں موجود معلومات کو اپنے ہدنی قارئین کے مطابق قابل قبول اور موثر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، جس کی عملی مثال مذکورہ بالا سطور کا ہدنی متن میں شامل نہ ہونا ہے۔ چنانچہ اس مثال کے تحت بھی اپنائیت کی حکمت عمل کا استعمال اور اس کے مقاصد سامنے آئے ہیں۔

### ۳۔ اعداد و تواریخ میں ردوبدل (Change in Digits and Dates)

اعداد و تواریخ کی تبدیلی کے نتیجے میں ماخذ متن میں موجود اعداد و تواریخ ہدنی متن میں بدل کر پیش کیے جاتے ہیں جس کی وجوہ ماخذ و ہدنی متون سے جڑے سیاق، تہذیب و ثقافت اور دونوں متون کے قارئین کے نظریات و ماحول میں فرق ہونا ہے۔

بعض اوقات ہدنی قارئین کے سیاقی و ثقافتی تناظرات کو مد نظر رکھتے ہوئے ماخذ متن میں بیان کردہ تاریخیں ہدنی متن میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ ترجمے میں اعداد اور تاریخوں کی تبدیلی مترجمین عمل میں لے آتے ہیں اور اس کی وجوہات سیاسی، ثقافتی اور نظریاتی ہوتی ہیں۔ وین ڈائیک کے مطابق سیاقی تناظرات میں فرق کے باعث معلومات ہدنی متن کے قارئین لیے بدل کر پیش کی جاتی ہیں۔ اعداد و تواریخ میں ردوبدل بھی ترمیم یا اپنائیت ہی کی ایک ذیلی قسم ہے۔ ونے اور ڈاربلنٹ کے مطابق:

Adaptation happens when there's something which is normal in that culture  
but which would not be acceptable in a literal rendering in the target  
language.



اپنائیت و ترمیم کی حکمت عملی تب بروئے کار لائی جاتی ہے جب ماخذ متن میں کوئی ایسی چیز یا ایسی معلومات سامنے آئیں جو ماخذ متن سے جڑی ثقافت میں تو قابل قبول ہوں لیکن لغوی ترجمہ کرتے ہوئے ہدنی زبان کے مزاج کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔ ایسی صورت میں ترجمہ شدہ متن میں تبدیلی کرتے ہوئے اسے ہدنی قارئین کے لیے قابل قبول اور قابل فہم بنایا جاتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

۱۔ ہاں تو یہ دیش نکالے جرمن ایسے آئے جیسے یہ ان کی زیارت گاہ یا تیر تھ استھان ہے، جس کی کھوج میں وہ ہزاروں سال سے تھے۔<sup>۲۴</sup>

But these exile Germans came here as if this was a Holi shrine are a place for  
purification for which they'd been searching nearly 2000 years.<sup>۲۵</sup>

مندرجہ بالا مثال میں اعداد کا واضح تفاوت موجود ہے۔ ماخذ متن میں یہ اعداد ایک ہزار سال کی صورت بیان کیے گئے ہیں، جب کہ ہدنی متن میں وہی اعداد بدلتے ہوئے دو ہزار سال بنا دیے گئے ہیں جس کی وجہ سیاقی نوعیت کی ہے۔ ہدنی متن کے قارئین اپنے سیاقی تناظر کی بدولت ان اعداد کو دو ہزار سال کی صورت قبول کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں جس کی بدولت متن کی اس سیاقی صورت کو بدل کر پیش کیا گیا ہے۔ مجوزہ ترجمہ شدہ متن میں بارہا اس حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے تاریخوں اور اعداد میں رد و بدل کیا گیا ہے جس کے باعث اصل متن کے معنی پر اثرات رونما ہوئے ہیں۔ ترجمے میں ایسی معلومات کو بالکل بدل کر پیش کیا گیا ہے جس کی وجوہات، سیاقی اور تناظراتی ہیں۔ شی اور وین ڈائیک کے مطابق مترجمین ایسی معلومات بدل کر پیش کر سکتے ہیں جو ترجمے کے قارئین کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔

۲۔ خیر یہ مانے لیتے ہیں اگر 1757ء جیسے حالات ہوتے تو یہ بھی ایک کالونی ہوتی سفید یورپین اشک نازیوں کی۔<sup>۲۶</sup>

Very well even if we were to accept that if circumstances here had been the same as those of the Indian war of independence in 1857 then this two would

have been a colonial the white European Ashkenazi.<sup>۲۷</sup>

مندرجہ بالا مثال میں دونوں متون کی تاریخیں خط کشیدہ کی گئی ہیں جن میں ایک صدی کا فرق ہے۔ اتنا بڑا فرق ہدنی متن میں ترمیم کی حکمت عملی بروئے کار لاتے ہوئے ہی روا رکھا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماخذ متن میں بیان کردہ



اس جملے کی تاریخ ہدفی قارئین کے لیے قابل قبول نہ تھی، جبھی ونے اور ڈار بلنٹ کے وضع کردہ اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک صدی کا اضافہ کیا گیا ہے اور اسے ان کے لیے قابل قبول بنایا گیا ہے۔

۳۔ سنتے ہو: 29 فلسطینی موت کے گھاٹ اترے، 170 زخمی ہوئے اور باہر 29 مرے۔ کل 54 عرب ازرے ائیل میں کم ہوئے۔<sup>۴۸</sup>

Did you hear 20 Palestinians have been killed, a hundred 70 wounded and outside, another 29 were put to death. There has been a decrease of a total of

45 Arabs in Israel.<sup>۴۹</sup>

زیر نظر تحقیق کے لیے منتخب کیے گئے ناول اور اس کے انگریزی ترجمے کا موضوع دو اقوام کے مابین موجود صدیوں پرانی چپقلش اور تنازعہ ہے۔ دونوں اقوام کی صدیوں پرانی دشمنی نے اقوام عالم کے عالمی روابط پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتے ہوئے عالمی دنیا کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک حصہ فلسطین کی حمایت میں ہے تو دوسرا اسرائیل کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس دشمنی کی وجوہات اور اس کے نتائج منتخب متون میں بیان کیے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا مثال بھی اسی قسم کی ایک صورت حال کو ظاہر کر رہی ہے جس میں اسرائیلی حملے سے فلسطینی عوام پر ہونے والے ظلم و ستم کی عکاسی کی گئی ہے۔

اس مثال کے تحت اردو متن میں اس حملے کے نتیجے میں موت کی نذر ہو جانے والے فلسطینیوں کی تعداد انتیس، جب کہ مجموعی طور پر اسرائیل میں حملے کی بھینٹ چڑھ جانے والے فلسطینیوں کی تعداد چوں بتائی گئی ہے۔ اردو ادب کے قارئین اسلامی تہذیب کے پروردہ ہیں اور اس لحاظ سے وہ اہل فلسطین سے مذہب و شریعت یکساں ہونے کی بنا پر اخوت بھائی چارے کا تعلق رکھتے ہیں اور ان کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے حملوں کی شدید مزاحمت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس انگریزی متن کے قارئین کے لیے ضروری نہیں کہ وہ فلسطین کے حامی ہوں۔ چنانچہ سیاقی تناظر میں دونوں متون کی مثالوں میں اعداد کی تبدیلی اس امر کو ظاہر کر رہی ہے کہ اعداد کا یہ بدلاؤ اس سے آگے تناظر میں کرتے ہوئے ہدفی متن کو متعلقہ قارئین کے لیے قابل قبول بنایا گیا ہے۔ تعداد کی اس تبدیلی کی وجہ وین ڈائیک کے مطابق سیاقی نوعیت کی بھی ہے کہ



جس کے تحت بیانیے کو طاقتور کے مطابق بدل کر پیش کیا جاتا ہے اور ایک مشترکہ رجحان عوام الناس کے لیے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ وین ڈائیک کے مطابق:

Although much discourse control is contextual or topical, the local details of lexical or syntactical propositional meaning, turn taking conversation, rhetorical devices and narrative structure among many other discourse structures may be controlled by powerful group members, professionals groups, organisation or institutions.<sup>۳۰</sup>

اگرچہ بہت سے بیانیے سیاق و سباق اور موضوع سے تعلق رکھتے ہیں تاہم، لغوی و نحوی تجویزی معنی کی مقامی تفصیلات، رخ بدلتی گفتگو، بے تکلفی کے آلات اور بیانیے کی ساخت سمیت کئی دوسری لفظی ساختیں طاقتور گروہوں، پیشہ ور افراد، تنظیموں یا اداروں کے ذریعے کنٹرول کی جاتی ہیں۔

زیرِ نظر تحقیق میں محض انہی حکمت عملیوں کا تعارف اور مثالوں کے ذریعے ان کا استعمال واضح کیا گیا ہے، جو دونوں متون کے سیاق، تناظر، تہذیب، ثقافت اور دونوں متون کے قارئین کے نظریات و عقائد سے مربوط ہیں۔ ان تکنیکوں کے استعمالات جن مثالوں کے ذریعے واضح کیے گئے ہیں، ان سے دونوں متون کی تہذیب و ثقافت اور تاریخی روایات کی جھلک نظر آتی ہے۔ دورانِ ترجمہ یہ تمام تر عناصر ترجمے کے عمل کو کس طرح متاثر کرتے ہیں، ان کے نتیجے میں ترجمہ شدہ متن کی کیسی صورت سامنے آتی ہے اور ماخذ متن کو کیسے بدل کر پیش کیا جاتا ہے؛ اس تحقیق کا مقصد ان تمام نکات کو واضح کرنا ہے۔ ان تمام تر حکمت عملیوں کی مثالوں سے دونوں متون کے مختلف مذہبی عناصر، مختلف ثقافتی تہواروں، مذہبی و ثقافتی اصطلاحات اور ماخذ و ہدنی زبانوں کے جمالیاتی، شعری اور اسلوبیاتی عناصر مختلف ہونے کے باوجود ترجمے کے عمل کی بدولت ایک دوسرے کے نزدیک آنے اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔



## حوالہ جات

- ۱۔ فاخرہ نورین، ترجمہ کاری، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اردو، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۵۔
- ۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد پنجم، مدیر اعلیٰ: ابواللیث صدیقی (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۰۴۔
- ۳۔ مظفر علی سید، ”فن ترجمہ کے اصولی مباحث“ مضمون اردو زبان میں ترجمے کے مسائل، مرتبہ اعجاز راہی (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم: ۱۹۸۶ء)، ص ۳۱ تا ۴۲۔
- ۴۔ یوجین نیڈا (Eugene Nida)،
- <https://www.google.com/url?sa=t&source=web&rct=j&opi=89978449&url>، تاریخ ملاحظہ: ۱۰ جون، ۲۰۲۵ء۔
- ۵۔ یوجین نیڈا (Eugene Nida)، *Toward a Science of Translating* (نیدرلینڈز: لائینڈن ای جے برل، ۱۹۶۴)، ص ۴۔
- ۶۔ نثار علی بھٹی، ”ثقافت اور اس کے تشکیلی عناصر“،
- <https://www.bing.com/ck/a?!&&p=2ee3d9533f742975b6d42c246c8a3957b3b3f9493584edbc657844aed7e4f84JmltdHM9MTc1NzAzMDQwMA&ptn=3&ver=2&hs>
- [h=4&fclid=3109d99e-26fc-6e03-181c-](https://www.bing.com/ck/a?!&&p=c00f5d4f3e2c3ff4872c5e34589b20bfb1ef0232747)، تاریخ ملاحظہ: ۳ ستمبر، ۲۰۲۵ء۔
- ۷۔ شیخ عبدالرشید، ”ترجمہ اور سماجی ہم آہنگی“،
- <https://www.bing.com/ck/a?!&&p=c00f5d4f3e2c3ff4872c5e34589b20bfb1ef0232747>، تاریخ ملاحظہ: ۶ ستمبر، ۲۰۲۵ء۔
- ۸۔ ایوی شی (Aiwei Shi)، *Accommodation in Translation*، ٹرانسلیشن جرنل جلد ۸، شماره ۳،
- <http://www.tranlationjournal.net/journal/29accm.htm>
- ۹۔ عامر مجید، *In the Line of Translation as Accommodation: A Corpus based Comparative Analysis of Fire and Sab Sy Pehle Pakistan* (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۱۵ء)، ص ۹۴۔
- ۱۰۔ ایوی شی (Aiwei Shi)، *Accommodation in Translation*، ٹرانسلیشن جرنل جلد ۸، شماره ۳، ص ۱،
- <http://www.tranlationjournal.net/journal/29accm.htm>
- ۱۱۔ *The Translation Studies Reader* مرتبہ لارنس وینوٹی (Lawrence Venuti) (لندن: روتلیج، ۲۰۲۱ء)، طبع چہارم، ص ۲۶۸۔
- ۱۲۔ عامر مجید، ص ۵۵۔
- ۱۳۔ جیری مینڈے (Jeremy Munday)، *The Routledge Companion to Translation Studies*، طبع چہارم (لندن: روتلیج ٹیلر اینڈ فرانسس گروپ، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۸۹، ۱۹۰۔



علمی و تحقیقی مجلہ ”محاکمہ“ یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

۱۴۔ اسماء منصور، *Suffocation* (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۲۴) ص ۷۵۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۱۸۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۱۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۵۳۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۶۵۔

۲۱۔ حسن منظر، حبس، ص ۱۶۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۰۔

۲۳۔ ونے اور ڈار بلنٹ (Vinay and Darbelent)، ”A Methodology for Translation“، مشمولہ *The Translation*

*Studies Reader* مرتبہ لارنس وینوتی (Lawrence Venuti) (لندن: روتلیج، ۲۰۲۱ء)، طبع چہارم، ص ۹۱۔

۲۴۔ حسن منظر، حبس، ص ۳۳۴۔

۲۵۔ اسماء منصور، *Suffocation*، ص ۳۵۴۔

۲۶۔ حسن منظر، حبس، ص ۳۳۳۔

۲۷۔ اسماء منصور، *Suffocation*، ص ۳۵۳۔

۲۸۔ حسن منظر، حبس، ص ۷۰۔

۲۹۔ اسماء منصور، *Suffocation*، ص ۷۶۔

۳۰۔ وین ڈائیک، *Critical Discourse Analysis*، [Teun-A.-van-Dijk-2001-Critical-discourse-analysis.pdf](#)

، تاریخ ملاحظہ: ۱۵ اگست، ۲۰۲۵ء۔